# خطبہ جمعہ

## احمدیت خدا کے ہاتھ کا لگایاہوا پودا ہے اور یہ پودا کبھی ناکام نہیں ہو سکتا

## حفاظت مرکز کے سلسلہ میں قادیان اور اس کے نواح میں ہونے والی شہادتوں کا تذکرہ

## اسلام کی اولین تاریخ کے سوا آپ کو اس قسم کی بیباک شہادتوں اور قربانیوں کے واقعات اور نظر نہیں آئیں گے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۱۴ر مئی ۱۹۹۹ء بمطابق ۱۴ر ہجرت ۱۳۷۸ ہجری شمسی بمقام بادکروئس ناخ (جرمنی)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

﴿يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْابِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ . اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. وَلَاتَقُوْلُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾۔ (سورۃ البقرہ آیات ۱۵۴ تا ۱۵۵)

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ صبر اور نماز کے لئے دعا مانگو۔ یہ دونوں باتیں اس میں شامل ہیں صبر کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور نماز کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور صبر کے ساتھ صبر کی مدد طلب کرو اور نماز کے ساتھ نماز کی بھی مدد طلب کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ وَلَاتَقُوْلُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ اور انہیں جو خدا کی راہ میں مارے جائیں، خدا کے رستے میں مارے جائیں مردے نہ کہا کرو۔ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

یہ وہ آیات ہیں جیسا کہ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہے یہ شہداء کے ذکر کے عنوان کے طور پر اختیار کی گئی ہیں۔ ایک سلسلہ شہداء کے ذکر کا جو ہم نے شروع کر رکھا ہے آج بھی انشاء اللہ اسی سلسلے میں قادیان سے ہجرت سے پہلے جو شہادتیں ہوئی تھیں ان کا ذکر چلے گا۔ حفاظت مرکز کے سلسلے میں قادیان اور اس کے نواح میں جو شہادات ہوئی ہیں ان کو جیسا کہ میں نے پچھلے خطبہ میں ذکر کیا تھا دوہرا امتیاز حاصل ہے کیونکہ ان مسلمانوں کے دفاع میں جن کا قصور صرف مسلمان ہونا تھا، جن کا قتل عام کیا جارہا تھا، ان کے دفاع میں احمدیوں نے ان کو بچانے کی خاطر جو جانیں دی ہیں یہ غیر معمولی عظمت کی شہادتیں ہیں اور جیسا کہ ان کا ذکر چلے گا آپ حیران ہونگے کس بہادری کے ساتھ موت کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے وہ لوگ آگے بڑھے اور خدا کی راہ میں اپنی جانیں پیش کر دیں۔

پہلا ذکر **جمعدار محمد اشرف صاحب شہید** کا ہے جن کی تاریخ شہادت ۲ر ستمبر ۱۹۴۷ء ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہماری تاریخ میں ان لوگوں کے متعلق تفصیلات اکٹھی نہ کی گئیں لیکن اب جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے نتیجہ میں بہت سے شہداء کے پسماندگان خود وہ اطلاعیں بھجوا رہے ہیں جو ہماری تاریخ میں اس وقت محفوظ نہیں ہیں۔ وہ لکھ رہے ہیں کہ ہم ان کے بچے کتنے تھے، کہاں کہاں گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا سلوک کیا، دشمنوں سے کیا سلوک کیا وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اس مبارک سلسلے کے نتیجہ میں ایک اور سلسلہ معلومات کا اکٹھا ہونا شروع ہو گیا ہے جس کے نتیجہ میں ہماری تاریخ اور زیادہ سنورتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔

جمعدار محمد اشرف صاحب کے متعلق تاریخ احمدیت میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے روزنامچے کے حوالے سے یہ درج ہے کہ ۲ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کے گاؤں سٹھیالی پر جہاں خود حفاظتی کے خیال سے علاقے کے اور کئی مسلمان دیہات بھی جمع تھے، بہت بڑا گاؤں تھا سٹھیالی، مسلمانوں کا اور وہاں اردگرد کے دیہات کے مسلمان بھی پناہ کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے وہاں سکھوں کے حملے کا آغاز ہوا اور اس حملہ کے دوران جمعدار محمد اشرف صاحب ان مسلمانوں کی حفاظت کے لئے سٹھیالی بھجوائے گئے تھے۔ وہاں برین گن کے فائر سے شہید ہوئے۔ جمعدار صاحب مرحوم احمدیہ کمپنی 8/15 پنجاب رجمنٹ سے جنوری ۱۹۴۷ء میں فارغ ہوئے تھے اور قادیان تشریف لے آئے تھے۔ ۲۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو آپ نے حفاظت مرکز کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۲۶ر اگست کو جناب کیپٹن شیر ولی صاحب کے حکم سے صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی، عبدالسلام صاحب سیالکوٹی، حوالدار میجر محمد یوسف صاحب گجراتی، محمد اقبال صاحب اور عبدالقادر صاحب کھارے والے، غلام رسول صاحب سیالکوٹی، فضل احمد صاحب اور عبدالغفار صاحب ان کے ہمراہ یہ سٹھیالی پہنچے جہاں سکھوں نے رائفل، سٹین گن، برین گن اور گرینیڈ کا بے دریغ استعمال کیا۔ جمعدار محمد اشرف صاحب اور صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی اور محمود احمد صاحب عارف تینوں بڑی بہادری اور جرأت سے دفاع کر رہے تھے کہ یکایک برین گن کا برسٹ جمعدار محمد اشرف صاحب کے ماتھے پر لگا اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

دوسری شہادت جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے وہ **میاں علم الدین صاحب** کی ہے۔ تاریخ شہادت ۶ر ستمبر ۱۹۴۷ء۔ آپ کی پیدائش غالباً ۱۸۹۸ء کی ہے۔ ننگل باغبان نزد قادیان میں کچھ عرصہ سکونت پذیر رہے۔ پھر ۱۹۳۲ء میں قادیان منتقل ہو گئے۔ اولاً حلقہ مسجد مبارک اور پھر حلقہ مسجد فضل میں سکونت اختیار کی۔ آپ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ ہر سال اس سلسلے میں گرمیوں کے موسم میں دریائے بیاس کے پاس اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو ضرور ملنے جایا کرتے تھے۔ آپ کی تبلیغ کی بدولت ان میں سے بعض کو قبول احمدیت کی توفیق ملی۔ آپ مولانا جلال الدین صاحب قمر کے والد تھے۔

واقعہ شہادت یوں بیان ہوا ہے کہ قادیان پر جب پولیس اور فوج کی مدد سے جتھوں نے حملے شروع کئے تو فوج قادیان پر کرفیو لگا دیتی تھی اور اہل قادیان کو قانونی زنجیروں میں جکڑ کر غیر مسلم جتھوں کو کھلا چھوڑ دیتی تھی کہ وہ من مانی کریں لیکن اس کے باوجود غیر مسلم جتھوں کو احمدیوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کچھ تو ویسے ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ رعب کے ذریعے سے مدد دی جائے گی۔ اصل وجہ تو یہی ہے جو وعدہ ہم نے بارہا پورا ہوتے دیکھا ہے لیکن اس مدد دینے کے تعلق میں غیروں کا جھوٹ بھی شامل ہو جایا کرتا تھا جو ان کے خلاف کام کرتا تھا۔ اس قدر کثرت سے انہوں نے قادیان کے اسلحہ سے متعلق مشہور کر رکھا تھا کہ سکھ باوجود جتھوں کے، باوجود اس کے کہ فوج اور پولیس کی اعانت ان کو حاصل ہوتی تھی جب بھی لڑتے تھے اور ذرا ان کو خطرہ ہو کہ قادیان سے اسلحہ نکل کے ان پر جوابی حملہ ہونے والا ہے توڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے۔ مگر اس دوران جبکہ لڑائی ہو رہی ہوتی تھی اس وقت ان کو یقیناً موقع مل جاتا تھا احمدیوں کو شہید کرنے کا اور بعض غیر احمدی مسلمانوں کو شہید کرنے کا۔

یہ جو واقعہ میں بیان کر رہا ہوں یہ غالباً ۶ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب قادیان پر ایک بہت بڑا حملہ ہوا ہے اس وقت پیش آیا۔ اس حملے کا زور زیادہ تر حلقہ مسجد فضل پر پڑا تھا۔ مستورات اور بچوں کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا گیا تھا۔ یعنی احمدی والنٹیئر جو خدمت کر رہے تھے جنہوں نے ہر قسم کا خطرہ مول لے کر تمام مستورات اور بچوں کو وہاں سے نکال لیا تھا۔ مولانا جلال الدین صاحب قمر بیان کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب اپنے گھر کے بالاخانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس گھر کے سامنے ایک منزلہ کچے مکانات تھے۔ ایک سکھ پولیس مین ان گھروں کی چھتوں پر چڑھ آیا۔ بالاخانے کی کھڑکی اس طرف کھلتی تھی۔ قانون کے اس محافظ کی نظر میرے والد صاحب پر پڑی۔ غالباً وہ اپنے افکار میں مگن تھے اور ان کی نظر پولیس مین پر نہیں پڑی۔ اس پولیس مین نے اچانک گولی چلا دی اور انہوں نے اپنے خون میں لت پت تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. آپ کی شہادت کا منظر ایک دوسرے بالاخانے میں بیٹھے ہوئے ایک احمدی دوست دیکھ رہے تھے جن میں چوہدری محمد حسین صاحب کلرک نظامت جائیداد بھی تھے۔ موجود احمدیوں نے نماز جنازہ پڑھ کر تن کے کپڑوں میں ان کو دفنا دیا۔

اس سلسلے میں میں ضمناً ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے باوجود اس کے کہ خطرہ بہت سخت تھا وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم کی بنا پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے خواہ انہوں نے مقابلے میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو بڑی دلیری کے ساتھ اس خیال سے کہ قادیان کا یہ تاثر نہ پڑے کہ

قادیان کے باشندے اپنے مکان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت بڑا ریلا قادیان کے اوپر آسکتا تھا۔اس خطرے کو دور کرنے کی خاطر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ ہر احمدی اپنے مکان پر پہرہ دے۔ صرف وہ اپنے مکان سے باہر جائیں جن کو باقاعدہ نظام جماعت کے تحت کسی مصلحت کے پیش نظر نکالا جائے خصوصاً ان میں عورتیں اور بچے شامل ہوا کرتے تھے۔اس لئے ان اکیلے اکیلے لوگوں کا اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا یقیناً ایک بہت عظیم شہادت ہے کیونکہ سلسلے کے وقار کی خاطر انہوں نے اپنی جان کا خطرہ مول لیا ہوا تھا۔

ایک اور بزرگ **سید محبوب عالم صاحب بہاری** کی شہادت کا واقعہ بھی یوں درج ہے کہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو سید محبوب عالم صاحب بہاری جن کا خاندان اس وقت انگلستان میں اور ہر جگہ اور بھی گا لیکن انگلستان میں خصوصیت کے ساتھ ان کی اولاد بس رہی ہے۔ سید صاحب ایک نیک اور بہت بے نفس بزرگ تھے۔ ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۷ء کی صبح کو نماز کے بعد ریلوے لائن کے ساتھ سیر کے لئے گئے۔ اب بہادری دیکھیں باوجود اس کے کہ حالات بے انتہا خراب تھے، گھر میں ٹھہرنے کا حکم تھا مگر بزدلی کے ساتھ نہیں ٹھہرے۔ جو سیر کا دستور تھا اس کو جاری رکھا اور ریلوے لائن کے ساتھ باقاعدہ صبح سیر پہ جایا کرتے تھے لیکن ڈی۔بی۔ سکول قادیان کے قریب موضع رام پور کے بالمقابل کسی نے انہیں گولی کا نشانہ بنایا۔ شروع میں تو انہیں لاپتہ تصور کیا جاتا رہا لیکن وہ جو احمدی والنٹیئرز کے دستے جایا کرتے تھے اس مکان میں ان کو موجود نہیں دیکھا تھا۔ اس مکان میں ان کو نہ پا کر یہی سمجھتے رہے کہ لاپتہ ہیں۔ شاید کسی اور کے مکان میں چلے گئے ہوں مگر اس واقعہ کے تین دن کے بعد ایک مسلمان دیہاتی نے جو پناہ گزین کے طور پر باہر سے آیا ہوا تھا سید صاحب کے داماد سید صادق حسین صاحب کو بتایا کہ میں نے اس حلیہ کے ایک مسلمان کی لاش جس کے گلے میں نیلا کرتہ تھا اور یہ نیلا کرتہ انہوں نے ہی پہنا ہوا تھا ریلوے لائن کے قریب پڑی ہوئی دیکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پس ان کی نعش کا تین دن بعد پتہ چلا اور ان کو دفنانے کا بھی کوئی انتظام نہ ہو سکا۔

شمسہ سفیر صاحبہ لندن سے بیان کرتی ہیں کہ میرے نانا جان سید محبوب عالم صاحب اور ان کے بھائی سید محمود عالم صاحب جب انہوں نے احمدیت کا پیغام سنا تو بہار سے پیدل چل کر قادیان آئے تھے۔ یہ جو واقعہ ہے اس کا میں نے دوبارہ انگلستان سے پتہ کروایا ہے کیونکہ جہاں تک جماعت کی تاریخ محفوظ ہے میں نے اصل رجسٹر پڑھے ہیں جن میں ابتدائی احمدیوں کے، صحابہ کے بڑے عظیم الشان واقعات درج ہیں۔ کس طرح انہوں نے غیر معمولی قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ مجھے یہ خیال تھا کہ غالباً سید محبوب عالم صاحب بھی انہیں میں سے ہیں۔ چنانچہ انگلستان سے جب تصدیق کروائی گئی تو شمسہ سفیر صاحبہ نے یہ تصدیق بھیجی ہے کہ اولاد میں صرف ایک ہی بیٹی تھی جو میری والدہ تھیں اور ان کا نام سلمٰی تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں ان کی شادی سید صادق علی صاحب سے ہوئی تھی۔

قادیان پیدل آنے کے متعلق لکھتی ہیں کہ جب انہوں نے بہار میں احمدیت کا پیغام سنا تو بہار سے پیدل چل کر قادیان آئے اور ان کے پاؤں سوج گئے تھے۔ غریب خاندان تھا، سفر خرچ نہیں تھا۔ یہ مختصر سی بات انہوں نے لکھی ہے۔ جو رجسٹر کا حوالہ میں نے دیا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ جلسہ سالانہ پر میں سناؤں گا۔ وہ بہت ہی عظیم الشان واقعہ ہے حیرت انگیز قربانی ہے۔ بہار سے چل کر پیدل ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ننگے پاؤں، زخمی پاؤں جو ہر روز سوج جایا کرتے تھے زخموں سے، اس کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام سنا تھا صرف آنکھوں دیکھنا تھا اس حالت میں یہ قادیان آئے تھے۔ پس ان کی شہادت ایک عظیم واقعہ ہے جس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے بہادر پہلے تھے ویسے ہی شہادت کے دوران بھی بہادر ہی ثابت ہوئے۔

ایک شہادت **مکرم سلطان عالم صاحب** کی تاریخ میں درج ہے۔ عزیز سلطان عالم صاحب ۲۶ر نومبر ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے درجہ اول میں میٹرک پاس کیا۔ اس عرصہ میں تحریک جدید بورڈنگ ہاؤس میں داخل رہے۔ اس چھوٹی سی عمر میں ہی باقاعدہ تہجد گزار تھے۔ بعد ازاں گجرات سے امتیاز کے ساتھ ایف اے پاس کیا اور بی ایم اے کے مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو کر ملازم ہو گئے۔ ۱۹۴۲ء میں وصیت کی پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر اپنی جائیداد وقف کر دی۔ جون ۱۹۴۷ء میں آپ کو مہمان خانے میں معاون ناظر ضیافت کے طور پر تعینات کیا گیا۔ یہ چونکہ وقف کر کے آگئے تھے اور قادیان میں معاون ناظر ضیافت کے طور پر ان کی تقرری ہوئی تھی جو انہوں نے بڑی جانفشانی سے ادا کی۔

۱۹ر ستمبر ۱۹۴۷ء کی ایک چٹھی میں، جو ۲۵ر ستمبر کو گولیکی پہنچی، مرحوم نے یہ لکھا "حضور کا حکم ہے کہ عورتوں اور بچوں کو بھیج دو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ہم تو حضور کے حکم کے مطابق خون کا آخری قطرہ بہانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں"۔

**واقعہ شہادت**۔ ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کرفیو اٹھنے کے بعد جب بعض بیرونی محلوں میں رہنے والے احمدی اپنے مکانوں کی دیکھ بھال کے لئے باہر جانے لگے تو بڑے بازار کے اختتام پر جو ریتی چھلہ سے ملتا ہے عین دن دہاڑے برسر بازار سات احمدیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ ان میں میاں سلطان عالم صاحب بی۔ اے۔ نائب ناظر ضیافت بھی تھے اور جب بعض لوگ شہید ہونے والے احمدیوں کی لاشوں کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھے تو ان کو بھی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

اب اس شہید کے مزید تعارف کے طور پر میں بیان کر رہا ہوں کہ یہ شہید مکرم پیر عالم صاحب واقف زندگی کے حقیقی بھائی تھے۔ پیر عالم صاحب میرے دفتر میں، پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں، ہمہ وقت خدمت کے لئے تیار رہتے ہیں۔ رات بارہ بجے یا ایک بجے تک ہماری بعض علمی مجالس رہی ہیں بعض دفعہ دو بجے تک، سب لوگ چھٹی کر جاتے تھے مگر پیر صاحب نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ صبح ہمارے مختلف کارکنوں کے آنے سے پہلے میں اپنے دفتر پہنچ جاتا ہوں اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں پہنچا ہوں اور پیر صاحب موجود نہ ہوں۔ اللہ کے فضل سے ان کا بھائی تو شہادت کا رتبہ پا گیا لیکن پیر صاحب نے بھی جیتے جی وقف کا حق ادا کر کے اللہ کے حضور یقیناً بہت رتبے پائے ہیں۔

نور ہسپتال کے قریب جس گڑھے میں آپ کو دفن کیا گیا وہاں اب کتبہ بھی نصب کر دیا گیا ہے۔ نور ہسپتال کے قریب یہ جو شہید ہوئے تھے ان کو بعد میں موقع پا کر جتنے بھی شہید تھے اکٹھا ایک گڑھا بنا کر اس میں دفن کیا گیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں کتبہ نصب کر دیا گیا ہے۔ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ قادیان جانے والے جائیں تو وہاں بھی دعا کے لئے جایا کریں۔ شہید نے بوڑھے والدین، نوجوان بیوہ بنت ڈاکٹر عمر دین صاحب افریقی ساکن گجرات اور دو بیٹے خلیل احمد اور نعیم احمد بطور پسماندگان چھوڑے ہیں۔

اب ایک اور شہادت کا ذکر کرتا ہوں جو **مکرم مرزا احمد شفیع صاحب** (شہادت ۱۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء) کی ہے۔ جن کا بیٹا یہاں جرمنی میں ہے مرزا مسیح احمد صاحب۔ ان کو آپ اکثر لوگ جانتے ہونگے۔ مرزا احمد شفیع صاحب، مرزا محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اعلیٰ نمبروں سے میٹرک پاس کیا۔ ایف اے اور بی اے میں ڈبل میتھ لے کر اعلیٰ نمبروں میں ڈگری حاصل کی۔ شہادت کے وقت آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور استاد کے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ سلسلہ کی خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ نماز باجماعت اور خدام الاحمدیہ کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ ہر قسم کے چندوں اور خصوصاً تحریک جدید میں ہر سال اضافے کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اپنے فرائض کو نہایت احسن طور پر نبھاتے رہے۔

اب میں ان کے خاندان کا تعارف کرواتا ہوں۔ ان کے والد حضرت مرزا محمد شفیع صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ محاسب صدر انجمن احمدیہ تھے۔ میرے بچپن سے پارٹیشن تک مجھے ان کا ہمیشہ دیکھنا یاد ہے۔ بہت ہی مستعد کارکن تھے اور ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں کا نمونہ دکھاتے ہوئے محاسبہ کا کام کیا ہے۔ ان کا مزید تعارف یہ ہے کہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر تھے۔ یعنی حضرت مرزا محمد شفیع صاحب، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر تھے اور انہی کی بیٹی سے آگے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری نسل جاری ہوئی ہے۔ جو دوسری بیگم تھیں ان کو اچھی اماں کہا کرتے تھے ان سے کوئی اولاد نہیں تھی لیکن وہ ان کی اولاد سے بھی ماں کی طرح محبت کرتی تھیں بلکہ بعض ان کے بچے انہی کے پاس پلے ہیں۔ حضرت چھوٹی آپا یعنی ام متین کے یہ حقیقی بھائی تھے، مرزا شفیع احمد صاحب۔ مرزا شفیع احمد صاحب کی بیوہ امتہ الرحمٰن صاحبہ ربوہ میں ہوتی ہیں جن کے ساتھ ان کی بیٹی امتہ الباسط رہتی ہیں۔ ان کی ایک بیٹی لندن میں ہیں جن کے بچے آگے پھر خدمت دین کی توفیق پا رہے ہیں۔ فضل اور شیلا دو نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے جماعت کی علمی خدمات میں بہت بھرپور حصہ لیا ہے اور جو بھی ریسرچ کے کام میں ان کے سپرد کرتا ہوں بڑی تندہی سے ادا کرتے ہیں۔ انگلستان کی جماعت میں یہ دو نام کافی مشہور ہیں۔ ان کے بیٹے مرزا مسیح احمد جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہاں جرمنی میں ہیں اور کافی لمبے عرصہ سے صاحب فراش ہیں اور بڑی ہمت سے بیماری کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کی بیگم بھی ان کی بہت خدمت کر رہی ہیں۔ آپ سب کو میں ان سب کے لئے دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

اب کئی شہادتوں کا ذکر جو **فیض محمد صاحب، زہرہ بی بی صاحبہ، عبدالجبار صاحب** اور **فیض محمد صاحب کی چارسالہ بچی** کی شہادتیں ہیں۔ اب ان کا ذکر میں کرتا ہوں۔ مکرم ٹھیکیدار عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ "فیض محمد صاحب سری گوبند پورہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام نبی بخش تھا۔ معمار کا کام کیا کرتے تھے۔ آپ کی شہادت سے ایک رات قبل قادیان پر انڈین آرمی نے بہت زبردست فائرنگ کی اور صبح فجر کے بعد سکھ جتھے نے حملہ کر دیا"۔ اس طرح ہندوستانی فوج پہلے سکھ جتھوں کے لئے رستہ تیار کیا کرتی تھی پھر اس کے عقب میں جتھے حملہ آور ہو جایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں "ہم تو وہاں سے ہجرت کر کے بورڈنگ میں منتقل ہو گئے تھے مگر فیض محمد صاحب نے اہل خانہ سمیت اپنا مکان نہ چھوڑا اور وہیں مقیم رہے"۔

اب یہ بھی وہی روح ہے۔ چونکہ امام کا حکم تھا اپنے مکانوں پہ قائم رہو اس لئے یقینی طور پر حملے کی خبر پانے کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے مکان میں ڈٹے رہے۔ "جس وقت ہمارے مکان پر حملہ

ہوا تو ہم گھر کے عقبی دروازے سے سو کے قریب افراد نکل کر پورڈنگ جا چکے تھے"۔ یعنی یہ بیان دے رہے ہیں ٹھیکیدار عبدالرزاق صاحب کہ ہم جا چکے تھے، یہ بعد میں شہید ہوئے۔ کہتے ہیں "پنڈت محمد عبداللہ صاحب نے اطلاع دی کہ فیض محمد صاحب، ان کی اہلیہ زہرہ بی بی، ان کے جواں سال بیٹے عبدالجبار صاحب اور ایک چار سالہ بچی کو سکھوں نے تلواروں اور برچھیوں سے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"۔

ایک شہادت **ملک حمید علی صاحب** کی بھی مذکور ہے۔ یہ تاریخ میں درج ہے مگر اس کی تفاصیل موجود نہیں ہیں۔ اس خطبے کے سلسلے کا ایک یہ بھی فائدہ پہنچ رہا ہے اور پہنچے گا کہ اب جو بھی ان کے عزیز سنیں گے وہ انشاءاللہ ان کے متعلق تفصیلی معلومات مزید مہیا کر دیں گے۔ ملک حمید صاحب کے متعلق جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ مکرم ملک بشیر احمد صاحب کنجاہی کے فرزند اور جناب ملک غلام فرید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایم۔اے۔ کے رشتہ میں بھتیجے تھے۔ آپ کو ملٹری نے پکڑا اور ہائی سکول قادیان کے پیچھے لے جا کر گولی مار کے شہید کر دیا۔

ایک شہید کا نام **ماسٹر عبدالعزیز** ہے۔ ان کے متعلق بھی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔ لیکن جو معلوم ہیں مختصر سی وہ میں بیان کر دیتا ہوں۔ آپ ننگل باغبان متصل قادیان کے رہنے والے تھے۔ لاہور سے واپس آ رہے تھے قادیان نہیں پہنچ سکے۔ یہ لاہور سے اسی غرض سے واپس آ رہے تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ کا حکم تھا کہ قادیان والے قادیان نہ چھوڑیں۔ یہ باوجود اس کے کہ باہر محفوظ جگہ پہنچ چکے تھے پھر بھی قادیان واپسی کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ ان کے متعلق یقینی طور پر پتہ نہیں چل سکا کہ کیسے شہید ہوئے مگر جب کچھ عرصہ غائب رہے تو روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ بٹالہ میں ان کو شہید کیا گیا۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب کسی وقت مدرسہ احمدیہ میں مدرس بھی رہے ہیں۔

اب دو ایسی شہادتیں ہیں جن کا ذکر خصوصی طور پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے مضمون "قادیان کی خونریز جنگ" میں کیا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ان الفاظ میں یہ ذکر کیا کہ قادیان کے مرکزی حصے پر جو حملہ ہوا اس میں ایک شاندار واقعہ ہوا۔ بہت سے واقعات میں اس واقعہ کو خصوصیت کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک شاندار واقعہ بیان کیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ قرون اولیٰ کی قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ "جب حملہ کرتے وقت پولیس اور سکھ شہر کے اندر گھس آئے اور شہر کے مغربی حصے کے لوگوں کو مار پیٹ کر خالی کرانا چاہا اور وہ لوگ مشرقی حصے میں منتقل ہو گئے تو معلوم ہوا کہ گلی کے پار ایک گھر میں چالیس عورتیں جمع تھیں وہ وہیں رہ گئی ہیں"۔ ہمارے مغرب میں قادیان میں ہندوؤں کے محلے تھے اور وہیں احمدی بھی پہلے آباد ہوا کرتے تھے۔ تو جب یہ خطرہ ہوا تو احمدیوں کو محفوظ جگہ پہنچانے کا وقت کسی طرح نہ مل سکا اور وہیں بعض گھروں میں وہ اکٹھے ہو گئے اور حسب توفیق والنٹیئر ان کو لے کے آتے رہے۔ یہ پس منظر ہے جس میں یہ واقعہ ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت مصلح موعود لکھتے ہیں شہر کے مغربی حصے کے لوگوں کو مار پیٹ کر جگہ خالی کروانی شروع کی یعنی پہلے فوجیوں نے اور پولیس نے یہ کام شروع کیا اور وہ لوگ جو مشرقی حصے میں منتقل ہو گئے تھے یعنی مغربی حصے سے جو احمدیوں والا حصہ تھا مشرقی اس میں منتقل ہو گئے اس وقت معلوم ہوا کہ گلی کے پار ایک گھر میں چالیس عورتیں جمع تھیں وہ وہیں رہ گئی ہیں۔ "بعض افسران ان کو نکلوانے کے لئے گلی کے سرے پر جو مکان تھا وہاں پہنچے اور ان کے نکالنے کے لئے دو نوجوانوں کو بھیجا"۔ وہاں پھٹے لگا کر ایک عارضی پل بنالیا جایا کرتا تھا تو پھٹوں پر سے یہ گزر کر گئے ہیں، یہ نوجوان جس وقت گلی پار کرنے لگے تو سامنے کی چھتوں سے پولیس نے ان پر بے تحاشہ گولیاں چلا دیں اور وہ لوگ واپس گھر میں آنے پر مجبور ہو گئے۔ تب لکڑی کے تختے منگوا کر، یہ غالباً لکڑی کے تختے منگوائے گئے ہیں پہلے نیچے سے جانے کی کوشش کی ہو گی عام گلی میں سے لیکن وہاں وہ عین لوگوں کے نشانے میں تھے اور خطرہ تھا کہ شاید کوئی بھی بچ نہیں سکے گا۔ اس لئے اس کے بعد جو ترکیب سوجھی کسی کو کہ لکڑی کے پھٹے لگائے جائیں اور بہت تیزی سے چھلانگ لگا کر ان پھٹوں پر سے گزر جائیں۔

دو نوجوان اس کام کے لئے گئے تھے یعنی دو نوجوانوں نے پیش کیا کہ ہمیں بھیجیں پھٹوں کے اوپر سے ہم انشاء اللہ جا کر احمدی خواتین کو نکال لائیں گے۔ ان میں ایک **غلام محمد صاحب ولد مستری غلام قادر صاحب سیالکوٹی** تھے اور دوسرے **عبدالحق** نام قادیان کے تھے جو احمدیت کی طرف مائل تو تھے اور احمدی مجاہدین کے ساتھ خدمت میں بھی بھرپور حصہ لے رہے تھے مگر ابھی جماعت میں شامل نہیں تھے۔ یہ دونوں نوجوان برستی گولیوں میں سے پھٹے پر سے کودتے ہوئے اس مکان میں چلے گئے جہاں چالیس عورتیں موجود تھیں۔ انہوں نے ایک ایک عورت کو کندھے پر اٹھا کر تختے پر ڈالنا شروع کیا اور مشرقی مکان والوں نے انہیں کھینچ کر اپنی طرف لانا شروع کیا۔

جب وہ اپنے خیال میں سب عورتوں کو نکال چکے اور خود واپس آ گئے اور محفوظ تھے تو معلوم ہوا کہ انتالیس عورتیں آئی ہیں اور ایک نہیں آئی حالانکہ یہ یقینی خبر تھی کہ چالیس عورتیں ہیں۔ ایک بڑھیا عورت جو گولیوں کے ڈر کے مارے ایک کونے میں چھپی ہوئی تھیں وہ وہیں رہ گئی۔ اب ایسے موقع پر انسان کہہ سکتا ہے کہ انتالیس آ گئی ہیں ٹھیک ہے۔ اب اپنے جوانوں کو خطرے میں کیوں ڈالیں بڑھیا عورت ہے ویسے ہی مرنے کے قریب ہے اس کو وہیں چھوڑ دیں۔ مگر وہ وقت ایسا تھا جبکہ احمدی مجاہدین ہر قربانی کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ اس وقت ان دونوں نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ غلام محمد صاحب ولد میاں غلام قادر صاحب سیالکوٹی اور اسی طرح ان کے علاوہ عبدالحق صاحب یہ دو تھے جنہوں نے کہا کہ ہم جاتے ہیں فکر نہ کریں۔

چنانچہ غلام محمد صاحب ولد میاں غلام قادر صاحب جب یہ دوڑے ہیں تختے پر سے اس طرف سے بڑھیا کو ڈھونڈنے کے لئے تو جاتے ہوئے سامنے سے ان کے پیٹ میں گولی لگی اور بہت گہرا زخم آیا، انتڑیوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ لیکن بڑے ہمت والے، بڑے مضبوط جوان تھے۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے اپنے پیٹ کو سنبھالا اور پھر بھی جا کر اس بڑھیا کو نکالنے کی کوشش کرنے کے لئے اندر چلے گئے لیکن توفیق نہ مل سکی اور وہاں دروازے پر دوسری طرف اسی کمرے میں گر گئے۔ اس پر وہ جو غیر احمدی دوست تھے عبدالحق صاحب انہوں نے کہا اب میں جاتا ہوں چنانچہ وہ بھی گئے اور انہوں نے بڑھیا کو نکال لیا اور جب وہ واپس آنے لگے تھے تو ان کی پیٹھ پہ گولی لگی اور وہ بھی شہید ہو گئے۔

ان دو واقعات میں ایک ایسی عجیب بات بھی مضمر ہے جس سے قبولیت دعا کا بھی پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کس طرح باریک باریک اشاروں سے اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ میں اپنے بندوں کی دلی آرزوؤں کو پوری کیا کرتا ہوں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ہسپتال تو نہیں تھا جس جگہ بھی انہیں لے جایا گیا تھا وہاں عارضی طور پر طبی امداد مہیا کی گئی تھی لیکن چونکہ اندر کا زخم بہت زیادہ گہرا تھا اور ناقابل علاج تھا اس لئے ان کے بچنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ مگر آخر وقت تک ہوش قائم رہی۔ اس وقت انہوں نے جو عیادت کے لئے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کو بتایا کہ مجھے اسلام اور احمدیت پر پکا یقین ہے۔ تم گواہ رہو کہ میں اپنے ایمان پر قائم رہتے ہوئے جان دے رہا ہوں۔ یہ واقعات بھی ایسے ہیں جو اسلام کی عظیم پرانی تاریخ کو زندہ کرنے والے اور اس کو دکھانے والے واقعات ہیں۔ صحابہ مرتے وقت دوسروں کو گواہ کر دیا کرتے تھے گواہ رہو کہ ہم اسی دین پر جان دے رہے ہیں۔

پھر انہوں نے ایک اور بات بیان کی۔ کہتے ہیں میں اپنے گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ میں اسلام کے لئے جان دوں گا۔ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اس مقصد کے لئے جان دے دی۔ جب میں گھر سے چلا تھا تو میری ماں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا دیکھنا پیٹھ نہ دکھانا۔ اب اس بات میں بہت گہرا یہ راز مضمر ہے جو شاید ویسے ذہنوں میں نہ ابھرے کہ ان کو سامنے گولی لگی ہے پیٹھ پیچھے نہیں لگی اور جو غیر احمدی تھے ان کو پیٹھ پیچھے گولی لگی۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرق کر کے دکھا دیا کہ ایک کی ماں کی دعا تھی سامنے سے مار کھانا، پیٹھ نہ دکھانا۔ واقعۃً اس نے پیٹھ نہ دکھائی۔ یہ وہ پہلو ہیں جو ان کی شہادت کو بہت ہی عظیم کر کے دکھا رہے ہیں اور پھر انہوں نے اپنی ماں کے نام یہ پیغام بھیجا کہ میری ماں سے کہہ دو کہ تمہارے بیٹے نے تمہاری وصیت پوری کر دی ہے اور یہ پیغام دے کر انہوں نے جان دے دی۔ "قادیان کی خونریز جنگ" بحوالہ تاریخ احمدیت یہ واقعہ درج ہے۔

اب ایک واقعہ **محمد رمضان، عالم بی بی، چراغ دین، جان بی بی، منور احمد وغیرہ شہداء** کا میں بیان کرتا ہوں۔ ٹھیکیدار ولی محمد صاحب جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم محمد رمضان صاحب کا خاندان موضع کھارا نزد قادیان کا رہائشی تھا۔ ان کا خاندانی پیشہ زمینداری تھا۔ پہلے ان کا خاندان کسی پیر کا مرید تھا۔ خدا کے فضل سے ۳۶ء یا ۳۷ء میں سب خاندان احمدی ہو گیا۔ مکرم محمد رمضان صاحب اور مکرم چراغ دین صاحب جو دونوں بھائی مخلص احمدی تھے، دیانت میں اتنے مشہور تھے کہ جب غدر کے وقت حالات خراب ہوئے تو اکثر لوگ اپنی امانتیں محمد رمضان کے پاس آ کر جمع کرایا کرتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ یہاں ان کا مال محفوظ رہے گا۔

جب ہندو تاجر کھارا کے علاقہ میں آ کر آباد ہونا شروع ہوئے تو انہوں نے گورنمنٹ سے یہ درخواست کی کہ ان کو یہ علاقہ خالی کر کے دیا جائے۔ سکھوں اور ہندوؤں کے کردار کا یہ فرق ہے کہ سکھ تو بزور شمشیر خود علاقہ خالی کروالیا کرتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ مطالبہ تھا کہ پہلے خالی کراؤ پھر ہم جائیں گے۔ تو پرانے بنی اسرائیلیوں کی کچھ روایات ان میں ابھی تک زندہ ہیں۔ بہرحال انہوں نے حکومت سے یہ درخواست کی اور حکومت خاص طور پر ہندوؤں کا تو بہت ہی لحاظ کرتی تھی کہ ہمیں پہلے خالی کرا دو پھر ہم داخل ہوں گے۔ جب قادیان میں جماعت کو علم ہوا کہ کھارا کے احمدی اس وقت مشکل میں ہیں تو کچھ خدام سینوں پر اسلحہ باندھ کر ہماری مدد کو پہنچے۔ یعنی ولی محمد صاحب یہ واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ سکھوں نے ان کی مزاحمت کی مگر خدام نے جرأت اور بہادری کے ساتھ سکھوں پر فائرنگ کی حتیٰ کہ گاؤں کا ایک حصہ سکھوں نے بالکل خالی کر دیا اور خدام گاؤں کے اندر داخل ہو گئے اور احمدیوں کو کہا کہ آپ لوگ سورج نکلنے سے پہلے پہلے قادیان چلے جائیں تب آپ لوگ بچ سکتے ہیں۔

چنانچہ اسی ہدایت پر ٹھیکیدار ولی محمد صاحب کے بزرگوں کے سوا سب احمدی سورج نکلنے سے پہلے قادیان چلے گئے مگر ٹھیکیدار ولی محمد صاحب کے بزرگ قائم رہے کہ نہیں ہم یہ جگہ چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔

یہ گھرانہ چونکہ زمینداری کی وجہ سے مشہور تھالہذا سکھوں کا خیال تھا کہ یہاں بہت زیادہ مال و دولت ہو گی۔ سکھوں نے جب اس گھر پر حملہ کیا تو اس حملے میں ٹھیکیدار ولی محمد صاحب کی والدہ محترمہ عالم بی بی صاحبہ، چچا چراغ دین صاحب، چچی جان بی بی صاحبہ، چچا کا بیٹا تین سالہ منور احمد اور چچا کی ایک بیٹی اور رشتے دار **محمد شریف آف قادر آباد** کو گھر پر ہی شہید کر دیا گیا۔ حملے کے وقت اگرچہ محمد رمضان صاحب اپنے تین سالہ پوتے کو ساتھ لے کر گھر سے نکلنے میں کامیاب تو ہو گئے مگر سکھوں نے پیچھا کر کے تالاب کے قریب ان کو گولی مار کر شہید کر دیا۔

اب ایک اور دوست **مکرم نیاز علی صاحب کھاریاں** کی شہادت کا ذکر کرتا ہوں۔ مکرم خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی بیان فرماتے ہیں کہ میرا ایک بچہ حمید احمد جو مرکزی حفاظت کا فریضہ ادا کرنے والوں میں شامل تھا اور محلّہ کی مخدوش حالت کی اطلاع پا کر اور یہ سن کر کہ سکھوں کے حملے کا بہت بڑا زور ہمارے مکان کے پاس ہے میری خبر معلوم کرنے کے لئے گھر آیا تھا اور ہم یہ دیکھ کر کہ قریب قریب کی عورتیں اور بچے جا چکے ہیں اپنے مکان سے نکلے اور بابو اکبر علی صاحب مرحوم کی کوٹھی میں پہنچے جہاں مرکزی حفاظت کرنے والے نوجوان مقیم تھے۔ میرے وہاں جانے کے تھوڑی دیر بعد انچارج صاحب کو اطلاع پہنچی کہ ایک مکان میں ابھی تک بہت سی عورتیں اور بچے محصور ہیں اور خطرہ لحہ بہ لحہ بڑھتا چلا جا رہا ہے ان کو بحفاظت نکالنے کا انتظام کیا جائے۔

اس پر انچارج صاحب نے نوجوانوں کو آواز دی اور وہ دوڑتے ہوئے آ کر ان کے گرد جمع ہو گئے اور جب انہیں بتایا گیا کہ فلاں مکان میں عورتیں اور بچے موجود ہیں ان کو نکال لائیں تو ایک لحہ کے توقف کئے بغیر سارے کے سارے نوجوان جن کی تعداد پندرہ بیس سے زیادہ نہ تھی ملٹری اور سکھوں کی گولیوں اور سکھوں کی کرپانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے محض لاٹھیاں لے کر دوڑ پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں دو سو کے قریب عورتوں اور بچوں کو بحفاظت نکال لائے۔ یہ بھی رعب کی نصرت کی ایک عجیب مثال ہے۔ ایک طرف فوج بھی تھی، پولیس بھی تھی، سکھ ہر قسم کے ہتھیاروں، رائفلوں، کرپانوں وغیرہ سے مسلح اور مقابل پر یہ پندرہ بیس صرف لاٹھی بردار اور ان کو یہ توفیق مل گئی کہ ان کے حملے کو چیرتے ہوئے، ان کے جتھے کو چیرتے ہوئے بیچ میں سے رستہ بنایا اور محفوظ طریق پر عورتوں اور بچوں کو نکال لائے۔ کسی قسم کی کسی گھبراہٹ کا کوئی اظہار نہیں کیا۔

جب ہمارے مجاہدان کو اپنی حفاظت میں بورڈنگ کی طرف لا رہے تھے تو موضع سے قادیان آنے والے رستے کے قریب جو محلّہ دار الرحمت اور محلّہ دار العلوم کے درمیان واقع ہے بہت سے مسلح سکھوں نے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر ہمارے نوجوان جن کے پاس لاٹھیاں تھیں ان کے مقابلے پر ڈٹ گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دکھایا کہ ان سکھوں کو توفیق نہ ملی ان کو مارنے کی۔ جب تک ملٹری اور پولیس والے وہاں نہ پہنچے۔ اس سے پہلے کئی سکھوں کو یہ پندرہ بیس نوجوان لاٹھیوں سے مار کے بھگا چکے تھے اور ہمارے نوجوانوں میں سے کسی کو خراش تک نہیں آئی تھی۔ خواتین اور بچوں کو نرغے سے نکالنے کے لئے جو مجاہدین اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر مردانہ وار آگے بڑھے تھے ان میں ایک مجاہد جو نہایت سنجیدہ نوجوان اور رضاکار بن کر قادیان کی حفاظت کی غرض سے کھاریاں ضلع گجرات سے آیا ہوا تھا اس کا نام نیاز علی تھا۔ نہ معلوم اپنے ساتھیوں سے کس طرح علیحدہ ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ ملٹری نے نہایت سفاکی سے ان کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔

اب یہ دیکھیں کتنا عظیم خدا تعالیٰ کی نصرت کا معجزہ ہے کہ پندرہ بیس لاٹھی بردار بغیر کسی رائفل کے جاتے ہیں اور سکھوں کے لشکر کے بیچ سے رستہ بناتے ہوئے، صفیں چیرتے ہوئے فوج اور پولیس کی گولیوں سے بے خوف پار اتر جاتے ہیں اور احمدی عورتوں اور بچوں کو نکال لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس عرصہ میں ان کو خراش تک نہیں آتی جبکہ کئی سکھ جن کی تعداد معین نہیں وہ ان کی لاٹھیوں سے ہی مارے گئے۔ تو یہ واقعات بتاتے ہیں کہ **احمدیت کوئی مسیح موعود کا لگایا ہوا پودا نہیں۔ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جس کو اللہ نے آپ کے ہاتھ سے لگوایا ہے اور یہ پودا کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ یہ لازماً بڑھے گا اور لازماً ہمیشہ ترقی کرتا چلا جائے گا اور دشمن کی پھونکیں اس روشن چراغ کو کبھی بجھا نہیں سکیں گی جسے حضرت محمد مصطفی صل اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اور قرآن کی پیشگوئیوں کے مطابق اس زمانے میں روشن کیا گیا ہے۔**

اب ایک شہادت **عبدالمجید خان صاحب** کی ہے جن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب مرحوم کے یہ ماموں تھے۔ آپ مسجد اقصیٰ قادیان میں قرآن کریم کی کلاس لیا کرتے تھے۔ مرحوم تقسیم ملک کے بعد دوبارہ قادیان گئے۔ اس وقت آپ پاکستان کی فوج کے ملازم تھے۔ انہوں نے چاہا کہ میں اپنے والدین کو جا کر لے آؤں۔ بہت دلیر تھے۔ لوگوں نے منع بھی کیا مگر وردی پہن کر عازم سفر ہو گئے۔ آپ کے جانے سے تھوڑی دیر بعد ایک آدمی آیا اور اس نے کہا وہاں پر ایک نوجوان کا سر پڑا ہوا ہے جب تحقیق کی گئی تو وہ عبدالمجید خان صاحب کا سر تھا جو کھارا سے نکلتے ہی شہید کر دئے گئے تھے۔

ایک شہادت **مکرم بدردین صاحب، ان کی اہلیہ گلاب بی بی صاحبہ اور ان کے بیٹے محمد اسمٰعیل** کی ہے۔ مکرم بدردین صاحب قادیان کے قریبی گاؤں سیکھواں کے رہنے والے تھے۔ پیدائشی احمدی تھے۔ ہر جمعہ باقاعدگی سے قادیان پیدل جا کر پڑھتے تھے۔ آپ کی اہلیہ مکرمہ گلاب بی بی صاحبہ بھی پیدائشی احمدی تھیں۔ آپ احمدیت کی خاطر ہر مشکل کو برداشت کرنے والی تھیں۔ آپ کے بیٹے محمد اسمٰعیل صاحب نے والدین کی تربیت سے صالح ہونے کا مقام حاصل کیا تھا۔ بہت نیک انسان تھے۔ یہ بھی ہر جمعہ قادیان جایا کرتے تھے اور حفاظت مرکز کی ڈیوٹی بڑے شوق سے کرتے تھے۔

**واقعہ شہادت۔** تقسیم ملک کے اعلان کے بعد گاؤں کے اکثر احمدی قادیان منتقل ہو چکے تھے لیکن ابھی گاؤں کلیۃً نہیں چھوڑا تھا اچانک سکھوں نے گاؤں پر ہلہ بول دیا اور مسلمانوں کے گھروں پر قبضہ کر لیا اور ان کو گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ مکرم ابراہیم صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بدردین صاحب، والدہ گلاب بی بی صاحبہ اور بھائی اسمٰعیل صاحب گاؤں سے ایک قافلے کے ساتھ قادیان آ رہے تھے کہ قافلے پر سکھوں نے حملہ کر دیا۔ میں خود اس قافلے میں شامل تھا۔ وہاں پر میرے والد، والدہ اور بھائی اسمٰعیل کو شہید کر دیا گیا۔ حملہ کے وقت مجھے میرے والد صاحب نے اشارہ کیا کہ بھاگ جاؤ یعنی اپنے نکلنے کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کسی بزدلی کی وجہ سے نہیں گیا تھا، والد کی اطاعت میں گیا ہوں۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کا بچنا محال ہے۔ پس غالباً اپنی نسل کو جاری رکھنے کی تمنا پوری کرنے کی خاطر انہوں نے اشارہ کیا کہ تم نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ اس حملے کے باوجود اس گھیرے سے باہر آ گئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچ گئے۔ مگر اثر یہ تھا کہ بدحواس ہو چکے تھے، کوئی ہوش نہیں رہی تھی، میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں، کیا ہوا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مرحوم شہید باپ کی خواہش کو پورا کرنا تھا اور نسل کو جاری رکھنا تھا چنانچہ کچھ دوستوں کو ان کا علم ہوا یعنی بھٹکتے پھرتے ہوئے بعض احمدی دوستوں کی نظر میں آ گئے اور وہ ان کو پکڑ کے قادیان لے آئے اور جہاں تک شہداء کا تعلق ہے کچھ عرصے کے بعد احباب ان کے اشارے پر وہاں پہنچے اور ان کی لاشوں کو وہاں دفن کر دیا۔

اب آخری ذکر **مکرم عبدالرحمن صاحب شہید** کا ہے۔ یعنی اس سلسلہ میں جو شہادتیں ہوئی ہیں قادیان میں تقسیم کے وقت ان شہادتوں میں یہ آخری ذکر میں کر رہا ہوں اس کے بعد یہ تذکرہ ابھی لمبا ہے اور بہت دیر چلتا رہے گا۔ ابھی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے زمانے کی شہادتوں کا دور ہے بہت عظیم دور ہے۔ پھر اس عاجز کے زمانے میں خدا تعالیٰ نے جو بعض لوگوں کو شہید ہونے کی توفیق بھی دی ان کا بھی ذکر ہو گا تو یہ سلسلہ اللہ بہتر جانتا ہے کب تک چلے گا۔ ہو سکتا ہے جلسہ سالانہ تک یہ خطبات کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے اور اس کے نتیجہ میں انشاء اللہ تعالیٰ جو معلومات اکٹھی ہوں گی ان کے علاوہ جو شہداء کے خاندان ہیں خصوصاً ان کے دل میں اپنے ماں باپ کی قربانیاں احمدیت کے ساتھ ایک غیر معمولی وابستگی پیدا کر دیں گی، وابستگی ہے تو اس وابستگی کو اور بھی چمکا دیں گی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ شہادتوں کا یہ سلسلہ، سلسلہ وار آگے بڑھتا رہے گا اور اگلی صدی تک ان کی یادیں اور شہداء بھی پیدا کرتی رہیں گی۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ یہ سلسلہ جو شہداء کے ذکر کا چلا ہے یہ بہت بابرکت ثابت ہو گا۔

کیپٹن نور احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن صاحب شہید پیروشاہ کے رہنے والے تھے اور فوج میں حوالدار تھے اور بڑے بہادر تھے۔ ہماری ملاقات حفاظت مرکز کے سلسلے میں قادیان میں ہوئی۔ واقعۂ شہادت یہ ہے کہ کیپٹن صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ ہمیں کسی شخص نے تلونڈی جھنگلاں میں یہ اطلاع دی کہ دھوپ سڑی میں ہم نے کنویں میں تھری ناٹ تھری کی رائفل پھینک دی ہے۔ ان حالات میں اس زمانے میں تھری ناٹ تھری کی رائفل کی احمدیوں کے نزدیک بڑی قدر تھی کیونکہ دشمنوں نے تو مشہور کیا تھا کہ بے انتہا اسلحہ ہے لیکن بہت معمولی اسلحہ تھا۔ ایک تھری ناٹ تھری رائفل کے لئے مجاہد جان دینے کے لئے تیار بیٹھے تھے کیونکہ اس رائفل کے ذریعے کئی لوگوں کی جانیں بچائی جا سکتی تھیں۔ تو مکرم کیپٹن شیر ولی صاحب نے کیپٹن نور احمد صاحب کے بیان کے مطابق مجھے پانچ آدمیوں کے ہمراہ بھیج دیا کہ آپ لوگ جا کر رائفل تلاش کر لائیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کنویں کے ساتھ رسی نہیں ہے جس کے ذریعہ سے کنویں میں اترا جاوے۔ میں نے کسی چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگاتے ہی میری پشت میں ایک برچھی دھنس گئی۔ مجھے بہت زیادہ تکلیف ہوئی لیکن میں نے اس کی پرواکئے بغیر کنویں میں غوطہ لگایا لیکن کنویں میں کوئی رائفل نہیں تھی۔ ایک غلط اطلاع تھی یا کسی نے دیکھ لیا ہو گا رائفل پھینکتے ہوئے اور ان کے پہنچنے سے پہلے نکال لی۔ صرف تین چار برچھیاں تھیں جن میں سے ایک برچھی نے ان کو زخمی کیا۔ واپسی راجن پور کے قریب ہم نے دیکھا کہ کچھ سکھ وہاں سے نکل رہے ہیں۔ ہم پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ گئے لیکن عبدالرحمن صاحب حوالدار پیچھے ہی رہ گئے۔ جب سکھوں نے دیکھا تو بھاگ کر آئے اور موقع پر ہی عبدالرحمن صاحب کو شہید کر دیا۔ ہمیں اس واقعہ کی اطلاع بعد میں ملی۔ ہم جب تلونڈی جھنگلاں پہنچے تو پیچھے سے آنے والے کسی آدمی نے ہمیں بتایا کہ عبدالرحمن کو سکھوں نے مار دیا ہے اور لاش کماد میں پھینک دی ہے یعنی گنے کے کھیت میں۔ ہم لوگ وہیں سے جائے واردات کی طرف لوٹے اور عبدالرحمن کی لاش کو حفاظت سے واپس لے آئے۔

تو یہ روح تھی جو اس زمانے میں کارفرما تھی۔ عظیم بہادری کے نمونے دکھائے ہیں مجاہدین نے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ آپ تلاش کر کے دیکھیں تاریخ میں، **اسلام کی اولین تاریخ کے سوا آپ کو اس قسم کی بیباک شہادتوں اور قربانیوں کے واقعات اور نظر نہیں آئیں گے۔** میں امید رکھتا ہوں کہ آپ لوگ ان واقعات کی یادوں کو ہمیشہ اپنے دل کی دنیا میں آباد رکھیں گے اور آپ کے دل کی دنیا ان واقعات کی یاد سے جگمگاتی رہے گی اور انہی میں سے، انہی لوگوں میں سے جن کے دلوں میں یہ یادیں وابستہ ہیں آسمانِ احمدیت پر چمکنے والے ستارے بھی پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔